© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مستقبل کا نعرۂ انقلاب

دُنیا کے مفکرین کے سامنے اس وقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ "انسان کی حقیقت کیا ہے"؟ ابھی تک مغرب کے دانشور، جو دُنیا کے فکری امام تصور کئے جاتے ہیں، اس سوال کا ایسا معقول جواب نہیں دے سکے جو انسانی فطرت اور انسانی تاریخ کے معروف و مسلمہ حقائق سے ہم آہنگ ہو اور ذہن و فکر کو مطمئن کر سکے۔ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ موجودہ بحران، جس نے عالمگیر جنگوں کو جنم دیا اور جس کی بدولت نہ صرف تہذیبِ جدید کی مکمل تباہی کا خطرہ پیدا ہوا بلکہ نسلِ انسانی کے مٹ جانے کا امکان محسوس ہونے لگا ہے، کا واحد سبب انسان کی خود اپنی فطرت کے علم سے بے خبری ہے۔ علمِ فطرت کے بغیر مادی سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی انسان کے لئے خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور ماہر نفسیات سکنر اپنی کتاب "SCIENCE AND HUMAN BEHAVIOUR" میں لکھتا ہے۔

"سائنس نے بے ضابطہ انداز میں فروغ پایا ہے۔ سائنسدانوں نے آسان مسائل کو پہلے حل کر کے بے جان مادہ پر ہماری گرفت وسیع تر کر دی ہے لیکن مادہ کے بعد پیش آنے والے معاشرتی مسائل کے لئے انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی، حالانکہ معاشرتی علوم سائنس کی ترقی کے بغیر مادی علوم کا فروغ بیکار ہے اور یہ کہ معاشرتی علوم کی ترقی سے ہی صحیح نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔"

ایک اور معروف ماہر نفسیات میک ڈوگال اپنی تصنیف "THE WORLD CHAOS" میں رقم طراز ہے۔

"فطرتِ انسانی کے علم سے ہماری بے خبری کے سبب معاشرتی علوم کی ترقی ماضی میں بند رہی اور اب بھی بند ہے۔ معاشرتی علوم، سائنس کا فروغ جدید دَور کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ان علوم کے فروغ نہ پانے سے ہماری تہذیب کے زوال بلکہ مکمل تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی حقیقت کو صحیح انداز میں سمجھنے کے لئے ہمیں اس فرق کو مدنظر رکھنا ہوگا جو انسان اور حیوان میں پایا جاتا ہے۔ بے شک حیوان بھی انسان کی طرح خواہشات و جذبات سے مرکّب ہے، لیکن ان دونوں میں مراتب کا نہیں، طبقے کا فرق ہے۔ نہ انسان، حیوان کی اعلیٰ ترین ترقی یافتہ صورت کا نام ہے، نہ ہی حیوان انسانیت کی کمتر شکل ہے۔ دونوں دو الگ الگ طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

فرض کیجئے آپ ایک ایسی بگھی دیکھتے ہیں، جس میں ایک درجن گھوڑے جُتے ہیں۔ ہر گھوڑا اپنی مرضی کے مطابق بگھی کو کھینچتا ہے۔ بگھی کبھی دائیں کو مڑتی ہے کبھی بائیں کو اور کبھی جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے۔ بگھی کی نقل و حرکت دھچکیوں سے بھرپور ہے۔ آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ بگھی میں گھوڑوں کو ہانکنے والا کوچوان موجود نہیں۔ اس لئے یہ سرکش گھوڑے من مانی کر رہے ہیں۔ اس کے بالمقابل ایک دوسری بگھی جا رہی ہے۔ اس میں بھی اتنے ہی گھوڑے جُتے ہیں، لیکن وہ ایک خاص سمت میں بڑے ٹھہراؤ اور وقار کے ساتھ جا رہی ہے۔ راستے کے نشیب و فراز اور موڑ خوش اسلوبی اور اعتماد کے ساتھ طے کرتی ہے۔ اس صورت میں آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بگھی میں کوچوان موجود ہے جو گھوڑوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ تاکہ بگھی کی حرکت تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ مطلوبہ سمت میں جاری رہے۔ حیوان اوّل الذکر بگھی کی مانند ہے۔ جس کی خواہشات و جذبات کو کنٹرول کرنے والا کوئی نہیں، اس کی ہر خواہش جسے نفسیات کی اصطلاح میں جبلّت (instinct) کہتے ہیں، آزاد ہوتی ہے اور دوسری تمام جبلتوں کو نظرانداز کر کے اپنی تسکین کرنا چاہتی ہے۔ حیوان کی جبلّت جامد اور ناقابلِ اصلاح ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات اور نسل کی بقا کے لئے مخصوص انداز میں کام کرتی ہے۔ جب کوئی جبلّت بیدار ہوتی ہے تو حیوان اپنے داخلی حیاتیاتی دباؤ کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی نہ کسی سرگرمی کا آغاز کرتا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ حیوان اپنی کسی جبلّت کی روک تھام پر قادر نہیں ہوتا۔ نہ کسی اعلیٰ نصب العین کے لئے کسی جبلّت کو محدود کر سکتا ہے۔ حقیقت میں اس کے سامنے کوئی اعلیٰ آدرش ہوتا ہی نہیں۔ اگر وہ کسی جبلّت کو دبانے پر مجبور ہو جائے تو یہ مجبوری رضاکارانہ نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی جبلت دوسری کو روکتی ہے یعنی طاقتور جبلّت کمزور کو دبا کر اس کی جگہ لے لیتی ہے اور کمزور اس کے لئے جگہ چھوڑنے پر مجبور ہوتی ہے۔

انسان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی شخصیت ایسی بگھی کی مانند ہے جسے کوئی کوچوان چلا رہا ہو۔ انسان میں اعلیٰ درجہ کے حیوان کی جملہ خصوصیات مثلاً بچوں کی پرورش، جنسی خواہش، فرار، جھگڑالوپن، خود نمائی اور خود پسندی وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ تاہم حیوان کے برعکس وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنی کسی جبلّت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ی تسکین کواپنی مرضی کے مطابق محدود کرسکے تاکہ تمام جبلتوں کی ایک منتخب سمت میں منظم اور متحد طریق سے رہنمائی
کرسکے۔ حیوان کی طرح جبلتوں کی یہ روک تھام خود بخود اور غیر رضاکارانہ نہیں ہوتی بلکہ رضاکارانہ انتخاب کا نتیجہ ہوتی ہے۔
انسان اپنی خواہشات کی ایسے انداز میں روک تھام کرتا ہے کہ کسی خاص جبلت کی خواہش اس کی راہ میں رکاوٹ نہ
بنے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ اپنی جبلتوں سے فاقہ کشی کراتا ہے۔ بعض اوقات اپنی وہ زندگی بھی جبلتوں کی بھینٹ
چڑھا دیتا ہے جس کے لئے یہ تمام جبلتیں سرگرم عمل ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اپنے عمل کے لئے منتخب راستہ
بھی چھوڑ دیتا ہے۔ حیوان کی زندگی جداگانہ سرگرمیوں سے عبارت ہوتی ہے۔ ہر سرگرمی کسی نہ کسی خواہش کی مغلوب
ہوتی ہے اور اس کے مختلف مرحلوں میں کوئی رابطہ نہیں پایا جاتا۔ دوسری طرف انسان کی تمام سرگرمیاں اکائی
کی صورت میں منظم ہوتی ہیں۔ ہر سرگرمی کی خواہ وہ کسی حد تک بڑھنے کی مجاز ہو، ایک خاص انداز میں رہنمائی کی جاتی
ہے اور اسے قابو میں رکھا جاتا ہے تاکہ وہ نامیاتی طور پر کل کا حصہ بن جائے۔ انسان میں پایا جانے والا جبلتوں کا
یہ نظم وضبط، اتحاد، تسلط اور رہنمائی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس میں ایسی زبردست خواہش موجود
نہ ہو جو دوسری تمام خواہشوں پر غلبہ پاسکے اور ان پر حکم چلا سکے۔ یہی خواہش یا جبلت وہ پُراسرا قوت ہوتی ہے
جو انسانی شخصیت کی بگھی کو چلاتی ہے۔ اس جبلت کو سمجھنا انسان کی حقیقت سے باخبر ہونے کے مترادف ہے۔
کیونکہ یہی خواہش انسان کی جملہ سرگرمیوں خواہ وہ سیاسی، قانونی، عسکری، معاشی، اخلاقی، تعلیمی، فکری اور
مذہبی ہوں یا فنکارانہ، کا سبب ہوتی ہے۔ اسی جبلت نے تاریخ کو موجودہ شکل بخشی۔ کیونکہ تاریخ انسانی شخصیت
کی بگھی کے کوچوان کی اس طویل کوشش کے سوا کچھ نہیں جس کا مقصد انسان اور معاشرہ کو اس کی منزلِ مقصود
تک پہنچانا ہے۔

گویا انسانی سرگرمیوں (خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی) کی نوعیت اور ان کی غرض وغایت کو اس
وقت تک سمجھنا ناممکن ہے جب تک ہم انسانی شخصیت کی بگھی کو ہانکنے والے ڈرائیور کی حقیقت اور اسکے
نصب العین یا منزلِ مقصود سے آگاہ نہ ہوں۔ دوسرے الفاظ میں تاریخ، سیاسیات، اخلاقیات، تعلیمات
قانون، معاشیات، مذہب، فن، سائنس اور جنگ کے فلسفہ پر کسی مصنف کو اس وقت تک طبع آزمائی کرنے
اور دوسروں کے سامنے اپنا فلسفہ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں جب تک اس کے فلسفہ کی بنیاد اس جبلت پر
نہ ہو جو انسانی سرگرمیوں کی قوتِ محرکہ ہے۔ اس خواہش کی نوعیت کے بارے میں اس کا علم ناقص اور
منطق وعقلیت کے معیار سے فروتر ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی صاحب قلم اس جبلت سے کلیتہً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف نظر کر کے اپنا فلسفہ پیش کرے گا تو وہ فلسفہ کی ابتدائی شرطوں پر بھی پورا نہیں اترے گا اور نہ اہل دانش کے نزدیک کسی غور و فکر کا مستحق ہو گا۔ ایسے مصنّف کا ذہن آغاز سے ہی پراگندہ ہو گا۔ اس لئے وہ جن نتائج تک پہنچے گا، وہ عقل و خرد سے عاری اور شیخ چلی کی قیاس آرائیوں کے مترادف ہوں گے۔

بلاشبہ دُنیا کی تمام زبانوں میں تاریخ، سیاسیات، اقتصادیات، تعلیمات، اخلاقیات، قانون اور فن کے فلسفہ پر ہزارہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن افسوس ان کے مصنفین میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلا جس کے فلسفہ کی بنیاد اس انسانی جبلت کے متعلق کسی واضح اور قطعی نظریہ پر ہو، جو انسان کے جملہ اعمال و افعال کا سرچشمہ اور ان کی محرّک قوت ہے۔ البتہ کارل مارکس کو اس سے مستثنےٰ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنے معاشی نظریہ میں، جسے انسان اور کائنات کے بارے میں ایک مکمل نظریہ کہا جا سکتا ہے، انسانی جبلت کو خاص مقام دیا ہے۔ اس لئے وہ قابل مطالعہ ہے۔ لیکن جب گہری نظر سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی منطق اور عقلیت کے معیار پر پورا نہیں اترتا اور ذہن اسے مسترد کر دیتا ہے۔

آیئے اب ذرا یہ جاننے کی کوشش کریں کہ انسانی شخصیت اور اس کی سرگرمیوں کو مہمیز کرنے والی قوت کی حقیقت کیا ہے؟ مغرب کے جن مفکّرین نے انسانی فطرت کے بارے میں خامہ فرسائی کی ہے، وہ اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک نہ ایک نظریے سے محبّت کا جذبہ ودیعت ہوتا ہے۔ دوسری مخلوقات چونکہ حیاتیاتی ارتقا میں انسان سے نچلی سیڑھی پر ہیں، اسلیے اس جذبے سے محروم ہوتی ہیں۔ لیکن ان دانشوروں نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا کہ انسانی افعال کو حرکت میں لانے والی اور اس کی شخصیت کو کنٹرول کرنے والی یہی خواہش ہوتی ہے۔ ڈارون کے جدید نظریہ کی تقلید میں انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا کہ کائنات کی ارتقائی ترتیب میں سب سے پہلے مادہ، پھر حیوان اور آخر میں انسان آتا ہے۔ وہ نظریات سے محبّت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر انسان میں کوئی صلاحیت پائی جاتی ہے، جس سے حیوان محروم ہیں، تو یہ صلاحیت لازماً حیوان کی ایک یا ایک سے زیادہ جبلتوں سے پیدا ہوئی ہے۔ جس کی غایتِ تخلیق دوسری جبلتوں کی مدد کرنا ہے۔ گویا وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ خواہش یا صلاحیت ایک یا زیادہ جبلّتوں سے ماخوذ ہے اور یہ کسی نہ کسی نظریہ سے محبّت کرنے کا نام ہے۔ ایسا نظریہ جس میں ایک شخص کی رائے کے مطابق دلکشی اور جامعیت کی خوبیاں موجود ہوں۔

کارل مارکس اس جبلت کو پرورش کرنے (FEEDING) کی خواہش کہتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاون جبلتیں ہیں جو انسان کی معاشی ضرورتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ فرائڈ نے اسے جنسی خواہش کا نام دیا ہے۔ جب یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو نظریات سے لگاؤ کی جبلت جنم لیتی ہے۔ ایڈلر کی رائے میں یہ اقتدار کی خواہش ہے اور نظریات اسی خواہش کی جھوٹی نمائندگی کرتے ہیں۔ میک ڈوگال کے نزدیک حیوانی جبلتیں ہی انسان کی قوتِ عمل کو مہمیز کرتی ہیں۔ اور کسی نظریہ سے اس کا لگاؤ تمام جبلتوں سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ خواہش ایک خاص جبلت —— خودی —— (SELF-ASSERTION) کی معاون ہوتی ہے۔

لیکن مذکورہ بالا دانشوروں میں سے کسی کا بھی پیش کردہ نظریہ انسانی فطرت اور تاریخ کے حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کے نظریات کو تنقید کی ترازو میں تولا جائے تو ایک بھی پورا نہیں اترتا۔ ان نظریات میں یہ خامی قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ کسی میں بھی اس بات کی وضاحت پیش نہیں کی گئی کہ ایک یا زیادہ جبلتیں جن کا مقصد زندگی کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا ہے، انسان میں کسی نظریہ کے متعلق ایسا جذبہ کیسے پیدا کر دیتی ہیں کہ یہ جبلتیں اس نظریے کے لئے فاقہ کشی کرتی ہیں، بلکہ جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتیں۔ ان کی توضیحات میں یہ بات نہیں ملتی کہ یہ جبلتیں، جو انسان اور اعلیٰ پایہ کے حیوان میں یکساں پائی جاتی ہیں، حیوان میں کسی نظریے کی حمایت کا جذبہ بیدار نہیں کر سکتیں تو وہ انسان میں اس جذبے کو کیسے پیدا کر سکتی ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی اعمال و کردار کو حرکت میں لانے اور قابو میں رکھنے والی قوت اس خواہش کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی جو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے، حیوانات میں نہیں پائی جاتی اور جسے نظریات سے لگاؤ کی جبلت کا نام دیا جاتا ہے۔

بڑے بڑے ماہرینِ نفسیات اس حقیقت کے قائل ہیں کہ حیوان صرف سوچنے، محسوس کرنے اور جاننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن انسان ان صلاحیتوں کے علاوہ اپنے اندر ان صلاحیتوں کی موجودگی کا شعور بھی رکھتا ہے دوسرے لفظوں میں حیوان کا شعور صرف مادی اور خارجی اشیاء تک محدود ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا جبکہ انسان مادی اور خارجی اشیاء کے علاوہ اپنی ذات سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔ اس خود آگاہی کو نفسیاتی اصطلاح میں "خودی" کہتے ہیں۔ انسان میں پائی جانے والی یہی وہ صلاحیت ہے جو اُسے حیوان سے ممیز کرتی ہے۔ انسان کو کسی نہ کسی نصب العین سے محبت کرنا سکھاتی ہے۔ قومی نصب العین قوم کے نظریۂ حیات کی رُوح ہوتا ہے جب اس نصب العین کو فطری سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں میں رچایا بسایا جاتا ہے تو وہ ترقی پا کر نظریہ بن جاتا ہے۔

یہ رائے کہ انسانی سرگرمیوں کو انگیخت کرنے والی قوت اس کے نظریات ہوتے ہیں، نہایت سادہ، قابلِ فہم نیز انسانی فطرت اور تاریخ کے مسلّمہ حقائق کے عین مطابق ہے۔ موجودہ نظریاتی دور نے تو اس کی افادیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بھی ثابت کر دی ہے۔ اس لئے اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر اس حقیقت کو قبولیتِ عام حاصل ہو جائے تو انسانیت فکری انقلاب کی شاہراہ کا وہ پہلا مرحلہ طے کر سکتی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جس کے سوا گزرنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ یہ تصور انقلابی تعبیریں رکھتا ہے۔

چونکہ انسان کا نصب العین دلکشی اور تکمیل سے متعلق اس کے تصورات سے ماخوذ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ سب سے پہلے یہ بتاتا ہے کہ انسان میں پائی جانے والی نظریاتی خواہش کو انتہائی درجے کا خوبصورت، دلکش، پسندیدہ اور جامع نظریہ ہی مطمئن کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کو سب مانتے ہیں لیکن جب یہ پوچھا جائے کہ سب سے اچھا اور مکمل نظریہ کون سا ہے، تو ان گنت جواب ملتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے وہ اشتراکیت یا معاشی مساوات اور معاشی آزادی ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں جمہوریت یا سیاسی مساوات اور سیاسی آزادی سب سے بہتر نظریۂ حیات ہے۔ بعضوں کے نزدیک ہٹلرازم، فاشزم، میکاولزم، گاندھی ازم، انگلش نیشنلزم، فرینچ نیشنلزم، یا انڈین نیشنلزم کو یہ مقام حاصل ہے۔ لیکن اگر ہم ہیگل کی متعین کردہ ذاتِ الٰہی کی یہ تعریف قبول کر لیں کہ "وہ ایک ایسا وجود ہے جس میں حسن و دلکشی اور جامعیت و تکمیل کی وہ جملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو انسان کا ذہن سوچ سکتا ہے۔" تو واحد نظریہ — جو انسان کی نظریاتی جبلت کو مطمئن کر سکے، ایک خدا کا نظریہ یعنی نظریۂ توحید ہی ہو سکتا ہے۔ اس نظریہ کا عملی زندگی میں نفاذ انسان کی معاشی و سیاسی مساوات اور آزادی پر منتج ہوگا۔ اس نظریہ سے محبت کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ بہترین طریقے سے معاشی اور سیاسی آزادی نافذ کی جائے۔ کیونکہ خوبصورتی کے وصف کو، جسے "قدر" (VALUE) کہتے ہیں، یا تو ایک دلکش نظریے کے جزو کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے، یا بالکل نہیں۔ خوبصورتی کی قدریں باہم دگر معاون ہوتی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک قدر دوسری سے تعاون نہ کرے تو اسے اپنانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

نظریاتی جبلت کو انسانی شخصیت کا ڈرائیور مان لینے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ اسی جبلت کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ فرد اور قوم میں یہی کارفرما ہوتی ہے اور اسے خدا کے تصور کی طرف کھینچتی ہے۔ اگر یہ جبلت انسانی فطرت کو کسی صحیح نظریہ سے لگاؤ رکھنا نہ سکھا سکے تو لازماً اسے غلط تصور کی طرف لے جائے گی۔ اس جبلت کی پیروی کرتے ہوئے انسان اندھی گلی میں داخل ہو جاتا ہے اور غلط منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ وہاں سے اسے فوراً واپسی اختیار کرنی پڑتی ہے ورنہ اس کی شخصیت ختم ہو جاتی ہے۔

کسی فرد یا قوم کی سیاسی، اخلاقی، تعلیمی، قانونی، معاشی، منطقی، سائنسی، فنی اور فوجی سرگرمیوں کو اس وقت تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح راستے پر نہیں ڈالا جا سکتا، جب تک ان کی منزلِ مقصود خدا کی ذات نہ ہو۔ خدا کے تصور کے بغیر انسان کی تمام سرگرمیاں نہ صرف اس کی قوت کو ضائع کرنے والی ہیں بلکہ قوم کے لئے ہلاکت خیز بھی۔ روئے زمین سے ایسی بہت سی نظریاتی قومیں اور تہذیبیں معدوم ہوگئیں جو خدا پر یقین نہیں رکھتی تھیں یا انہیں اس یقین کے مطابق عمل کی قوت ختم ہوگئی تھی۔ اس سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ موجودہ معاشرتی علوم کی تمام تر ترقی اپنے لادین تصور کی وجہ سے غلط اور بیکار ہے۔ اور اس بات کی ضرورت ہے کہ انہیں ایسے انداز میں مرتب کیا جائے جس سے انہیں انسانی فطرت کی رہنما — نظریاتی جبلت — کو صحیح بنیاد میسر آسکے۔ پس اس اصول کو کہ نظریاتی جبلت انسانی سرگرمیوں کو مہمیز کرنے والی قوت ہے، اس عالمگیر فکری انقلاب کا نعرہ بنایا جا سکتا ہے جو ناگزیر اور ناقابلِ مزاحمت ہے اور جس کے بعد کسی انقلاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

پاکستان کو، جو خود کو مکمل دینی ریاست میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے، اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے نظریۂ حیات کو فکری اور عقلی نکتۂ نظر سے قابلِ قبول بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ کیونکہ فکری ترقی کے موجودہ دور میں مستحکم عقلی بنیادوں سے محروم نظریہ دوسروں کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل نہیں کر سکتا، نہ زیادہ عرصے تک باقی رہ سکتا ہے۔ دوسری طرف نظریاتی جبلت کو انسانی سرگرمیوں کے لئے قوتِ محرکہ مان لینے سے پاکستان کو اپنے دینی نظریہ کے پھیلانے میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ دینی نظریہ عقلی معیار پر پورا اترتا ہے بلکہ یہ بھی کہ کوئی دوسرا نظریہ عقلی لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ گویا اہلِ پاکستان کو اس بات پر پوری طرح اعتبار کرنا چاہیئے کہ ان کے پاس جو روشنی ہے، اس کی مدد سے وہ اپنے نظریہ کو نہ صرف خود واضح اور عام فہم انداز میں سمجھ سکتے ہیں بلکہ اسے بیرونی دنیا میں بھی اپنے نظریے کی تبلیغ کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کو مستقبل کے پُرامن اور خاموش انقلاب میں قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں گی۔ اس گمان کو اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ عالمگیر فکری انقلاب کا نعرہ سب سے پہلے پاکستان میں لگایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com